امام ابُوحنیفہؒ کا مقام فنِ حدیث میں

از مولانا ابوالبقاء صاحب ندوی

پاکستان کی عدالتِ عالیہ کے ایک فاضل جج جناب محمد شفیع صاحب نے اپنے ایک فیصلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"مگر امام ابوحنیفہؒ نے جو ۸۰ھ میں پیدا ہوتے تھے اور جن کا انتقال ۷۰ سال کے بعد ہوا تقریباً ۱۷ یا ۱۸ حدیثیں ان مسائل کا فیصلہ کرنے میں استعمال کیں جو ان کے سامنے پیش کیے گئے۔"[1]

غالباً یہ غلط فہمی علامہ ابن خلدون کے ایک ضعیف قول نقل کر دینے کی وجہ سے ہوئی۔ علامہ ابن خلدون نے علومِ حدیث پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے: واعلم ایضاً ان الائمۃ المجتھدین تفاوتوا فی الاکثار من ھٰذہ الصناعۃ والاقلال فابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ یقال بلغت روایتہ الی سبعۃ عشر حدیثا او نحوھا[2] یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ائمہ مجتہدین میں بعض فنِ حدیث میں کم مایہ تھے، ابوحنیفہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی روایتیں صرف سترہ کے لگ بھگ تھیں۔"

اس ضعیف قول سے نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ نے بھی امام صاحبؒ کے خلاف دلیل لاتے ہوئے فائدہ اٹھایا ہے[3]۔

علامہ ابن خلدون کی عبارت سے اخذِ مطالب میں جو سقم پیدا ہوا ہے اس کے ازالے کے لیے چند باتوں کا ذکر ضروری ہے۔

امام صاحب طبقۂ تابعین میں مؤرخین کے دلائل اس بات پر قوی تر ہیں کہ امام صاحب نے کسی

---

[1] بحوالہ ترجمان القرآن منصبِ رسالت نمبر صفحہ ۲۱۷ [2] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۸۷
[3] الحطہ فی ذکر صحاح الستہ صفحہ ۳۴۔

صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی تاہم ان کو یہ شرف حاصل رہا کہ انہوں نے ان کو دیکھا ہے جن کی آنکھوں نے پیغمبرؐ کا جمال دیکھا تھا ان کے دیدار سے عقیدت کی آنکھیں روشن کیں۔ امام صاحب کو اس سعادت پر ناز تھا اور بے شبہ یہ ناز بجا تھا کیونکہ انہوں نے حضرت انسؓ صحابی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جو امام صاحب کے آغازِ شباب تک زندہ رہے، حضرت انسؓ کا انتقال سنہ ۹۳ھ میں ہوا اور سہل بن سعد کا انتقال سنہ ۹۱ھ میں ہوا اور ابوالطفیل بن عامر بن واثلہ تو سنہ ۱۰۰ھ تک زندہ رہے لیکن اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ آپ نے آخر کے دونوں حضرات سے بھی ملاقات کی ہو[1] اس پر لوگوں کو تعجب ہوا، مؤرخین نے اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں۔ بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ امام صاحبؒ نے اس وقت تک تعلیم شروع نہیں کی تھی۔ آپ کے والد تاجر تھے اس لیے آپ کی نشو ونما ایک تاجر کی حیثیت سے ہوئی تھی۔ بڑے ہوتے پر امام شعبی کی ہدایت پر علم کی طرف متوجہ ہوتے تھے، اور اس وقت موقع نکل چکا تھا اور صحابہ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔

مگر یہ توجیہ ناقابلِ فہم ہے کیونکہ رُواۃ کا ایک معتد بہ حصہ تجار رہا ہے، البتہ اس کی ایک توجیہ قابلِ قیاس ہے، محدثین میں باہم اختلاف ہے کہ حدیث کی روایت سیکھنے کے لیے کم از کم کیا عمر مشروط ہے، اس بارے میں اربابِ کوفہ زیادہ محتاط تھے، ان کے نزدیک بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کے درس میں شریک نہیں ہو سکتا تھا[2] کیونکہ ان کے نزدیک حدیث بالمعنیٰ کی گئی ہے اس لیے طالب علم کا پوری عمر کو پہنچ جانا ضروری ہے، تاکہ مطالب کے سمجھنے اور ادا کرنے میں غلطی کا احتمال باقی نہ رہے غالباً

[1] الموفق میں ایک باب ذکر الاحادیث السبعۃ التی رواہا ابوحنیفہ عن سبعۃ من الصحابۃ رضی اللہ عنہم مذکور ہے۔ اس کے ذیل میں احادیثِ مرویہ کا ذکر بسند مذکور ہے صفحہ ۲۷، حافظ ابوالمحاسن نے عقود الجمان میں ان تمام احادیث کو بسند نقل کرنے کے بعد اصولِ حدیث پر ان کو پرکھا ہے اور ان کی رائے ہے کہ یہ احادیث امام صاحب نے صحابہ سے روایت نہیں کی ہیں، یہ محدثانہ بحثیں تو وقت طلب ہیں، اگر امام صاحب نے ایک حدیث بھی کسی صحابی سے روایت کی ہوتی تو ان کے تلامذہ اس کو شہرت دیتے لیکن امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، ابن ہمام، ابن مبارکؒ وغیرہ نے ان کو کہیں بھی اپنی کتابوں میں نقل نہیں کیا ہے۔

[2] مقدمہ ابن صلاح مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۵۰

یہی قید تھی، جس نے امام ابو حنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا صحابہ کے علاوہ جن لوگوں نے صحابہ سے کم عمری میں حدیثیں سنیں، وہ جرح و تعدیل کے لحاظ سے کتنے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں لیکن اس بات کا قوی احتمال باقی رہ جاتا ہے کہ کمسنی کی وجہ سے مضمون حدیث کی تمام خصوصیتیں خیال میں نہ آئی ہوں؟

ابن خلکان کی ایک عبارت سے لوگوں کو شبہ ہوا کہ وہ امام صاحب کی تابعیت کے منکر ہیں اور مخالفین کے ایک گروہ نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے وہ لکھتے ہیں۔

ادرك ابو حنيفة اربعة من الصحابه رضوان الله عليهم اجمعين وهم انس بن مالك وعبد الله بن ابى اوفى بالكوفه وسهل بن سعد الساعدى بالمدينة وابو الطفيل عامر بن واثله بمكة ولم يلق احداً منهم ولا اخذ عنه[1]	امام ابو حنیفہؒ کے وقت میں چار صحابی موجود تھے حضرت انس بن مالک اور کوفہ میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ اور مدینہ میں سہل بن سعد الساعدی اور مکہ میں ابو الطفیل عامر بن واثلہ، لیکن ان میں سے کسی سے نہ ملاقات کی اور نہ ان سے فیض یاب ہوئے

لیکن یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی کیونکہ ابن خلکان نے اس واقعہ کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے دوسرے ملاقات اور فیض یاب ہونے سے انکار ہے مگر رؤیت سے انکار نہیں ہے۔

اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم بھی کرلیں تو پھر محدثین کے ایک گروہ خطیب بغدادی، علامہ سمعانی مصنف کتاب الانساب، علامہ نووی، علامہ ذہبی، حافظ ابن حجر عسقلانی، زین الدین عراقی سخاوی، ابو المحاسن دمشقی کا ہمارے پاس کیا جواب ہے جنہوں نے قطعاً فیصلہ کردیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا ہے[2]

اور اصولِ روایت کا یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ کسی واقعہ کے اثبات اور نفی میں برابر درجہ

---

[1] ابن خلکان جزء ۳ صفحہ ۴۷

[2] مختصر تاریخ خطیب بغدادی۔ کتاب الانساب، تہذیب الاسماء واللغات، تذکرۃ الحفاظ، عبر فی اخبار من غبر للذہبی، تہذیب التہذیب وغیرہ میں امام ابو حنیفہ کے حالات دیکھیے۔

کی شہادتیں موجود ہوں تو اثبات کا اعتبار ہوگا، اور یہاں تو نفی کی شہادت ثبوت کے مقابلہ میں بہت کم رتبہ ہے

تحصیلِ علم امام ابوحنیفہ کی توجہ تحصیل علم کی طرف امام شعبیؒ کے ایماء سے ہوئی تھی، امام شعبی نے کہا تھا کہ "مجھ کو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں، تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو"[1] اس نصیحت کا ان کے قلب پر اثر ہوا اور نہایت انہماک سے تحصیل علم پر متوجہ ہوئے۔

تحصیلِ علم کی ابتدائی منزل علمِ کلام رہا اور علمِ کلام کیلئے جن خصوصیتوں کا پایا جانا ضروری تھا وہ امام صاحب میں باتم موجود تھیں، اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے اس فن میں ایسا کمال حاصل کر لیا تھا کہ ماہرینِ فن ان سے علمِ کلام پر بات کرنے سے جی چراتے تھے۔ ابتداء میں تو امام صاحب اس فن کے بہت دلدادہ تھے مگر جس طرح عمر بڑھتی گئی ان کی طبیعت رُکتی گئی۔

کوفہ جو امام ابوحنیفہ کا مولد و مسکن تھا۔ اسلام کی وسعت و تمدن کا گویا دیباچہ تھا۔ شہر کوفہ کا وجود حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت سعد بن ابی وقاص کے ہاتھوں ہوا۔ ۱۷ھ میں اس کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا۔ عرب کے قبائل ہر طرف سے آآ کر آباد ہونے لگے اور تھوڑے عرصہ میں عرب کی آبادی کا ایک خطہ بن گیا۔ حضرت عمرؓ کوفہ کو رمح اللہ، کنز الایمان، جمجمۃ العرب فرماتے۔ حضرت علیؓ کی نظرِ انتخاب اسی پر پڑی اور انہوں نے اس کو دار الخلافہ قرار دیا۔ صحابہ جو وہاں آباد ہوئے ان کی تعداد ایک ہزار پچاس ہے، چوبیس وہ بزرگ ہیں جو غزوۂ بدر میں حضور اکرمؐ کے ہم رکاب تھے، ان بزرگوں کی بدولت ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے، اور کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت کی درسگاہ بن گیا تھا[2]

امام ابوحنیفہؒ کے شیوخ امام ابوحنیفہ نے حماد کے حلقۂ درس میں زانوئے تلمذ تہ کیا، حماد کوفہ کے مشہور امام اور استاذِ وقت تھے۔ حضرت انسؓ سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص تھے حدیث سنی تھی، مسعرؒ و شعبہؒ جو ائمہ فن خیال کیے گئے ہیں انہی کی صحبت کے فیض یافتہ ہیں، امام ابوحنیفہؒ کی نظرِ انتخاب لامحالہ آپ ہی پر پڑی، اس وقت درس کا عام طریقہ یہ تھا کہ استاذ زبانی مسائل پر گفتگو کرتے

---

[1] عقود الجمان، باب سادس۔ [2] یہ تمام تفصیلات فتوح البلدان بلاذری ذکر آبادی کوفہ صفحہ ۲۷۵ تا ۲۸۹ اور معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۲۹۵ تا ۳۰۰ میں مذکور ہیں۔

تھے، جو شاگرد یاد کر لیا کرتے تھے یا لکھوا لیا کرتے تھے، ابتدا میں ابوحنیفہؒ مبتدیوں کی صف میں بیٹھے، مگر جب استاذ کی جوہر شناس نگاہوں نے اس گوہر کو بھانپ لیا تو حکم دیا کہ ابوحنیفہ سب سے آگے بیٹھا کریں[1]۔

امام ابوحنیفہ نے اگرچہ اس دوران میں حدیث پڑھنی شروع کر دی تھی، کیونکہ مسائل فقہ کی مجتہدانہ تحقیق جو امام کو مطلوب تھی حدیث کی تکمیل کے بغیر ممکن نہ تھی مگر حماد کے حلقہ درس سے برابر تعلق قائم رہا۔ حماد کا انتقال سنہ ۱۲۰ھ میں ہوا، امام ابوحنیفہ نے حماد کے علاوہ اور بزرگوں سے بھی فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی مگر حماد کا نقش ایسا قائم رہا کہ وہ آخری وقت تک قائم رہا اور یہی وجہ ہے کہ امام صاحب حد سے زیادہ ان کی تعظیم کرتے تھے۔

تقریباً کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ تھا جس کے سامنے امام صاحب نے زانوئے تلمذ تہ نہ کیا ہو اور اس سے حدیثیں نہ لی ہوں۔ ابوالمحاسن نے امام کے شیوخ کی تعداد خاص کوفہ میں ترانوے ۹۳ لکھی ہے جو یا تو کوفہ کے باشندے تھے یا تو وارد تھے۔ شیوخِ کوفہ میں خاص کر امام شعبیؒ، سلمہ بن کہیل، محارب بن دثار، ابواسحاق سبیعی، عون بن عبداللہ، سماک بن حرب، عمرو بن مرہ، منصور بن المعتمر، اعمش، ابراہیم بن محمد، عدی بن ثابت الانصاری، عطاء بن السائب، موسیٰ بن ابی عائشہ، علقمہ بن مرثد بہت بڑے محدث اور سند روایت کے مرجع عام تھے[2]۔

امام صاحبؒ کی تحصیل کا دوسرا مدرسہ بصرہ تھا، بصرہ بھی حضرت عمرؓ کے حکم سے آباد ہوا تھا[3]، جو وسعتِ علم کے لحاظ سے کوفہ کا ہمسر خیال کیا جاتا تھا۔ علامہ ذہبی نے اسلام کے دوسرے اور تیسرے دور میں جن لوگوں کو حاملینِ حدیث کا لقب دیا ہے اور ان کے مستقل حالات لکھے ہیں ان میں اکثر مثلاً مسروق بن الاجدع، عبیدہ بن عمر، اسود بن یزید، ابوعمر النخعی، ذر بن حبیش، ربیع بن خثیم، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، ابوعبدالرحمٰن السلمی، شریح بن الحرث، شریح بن ہانی، ابووائل شقیق بن مسلم قیس بن حازم،

---

[1] عقود الجمان باب سادس

[2] تہذیب التہذیب، معارف ابن قتیبہ، مرآۃ الجنان یافعی

[3] معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۱۹۲ و فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۳۴۶

محمد بن سیرین، حسن بصری، شعبہ بن حجاج، قتادہ بن دعامہ ان ہی دونوں شہر کوفہ اور بصرہ کے رہنے والے یا خوش باش تھے[1]

بہتر ہوگا اجمالی طور پر امام صاحبؒ کے شیوخ پر ایک مجموعی طور پر سرسری نظر ڈال لی جائے ان میں سے اجل شیوخ کا تذکرہ ہم بعد میں کریں گے۔

عطاء بن ابی رباح، عاصم بن ابی النجود، علقمہ بن مرثد، حماد بن سلیمان، سلمہ بن کہیل، ابوجعفر محمد بن علی، علی بن الاقمر، زیاد بن علاقہ، سعید بن مسروق ثوری، عدی بن ثابت الانصاری، عطیہ بن سعید العوفی، ابوسفیان سعدی، عبدالکریم ابی امیہ، یحیٰی بن سعید الانصاری، ہشام بن عروہ[2]

ابواسحاق السبیعی، نافع بن عمر، عبدالرحمٰن ہرمز الاعرج، قتادہ عمر بن دینار، محارب بن دثار، ہیثم بن حبیب الصراف، قیس بن مسلمہ، محمد المنکدر، یزید الفقیر، سماک بن حرب، عبدالعزیز بن رفیع، مکحول عمرو بن مرہ، ابوالزبیر محمد بن مسلم، عبدالملک بن عمر، منصور بن زاذان، منصور المعتمر، عطاء بن السائب الثقفی، عطاء بن ابی مسلم، عاصم بن سلیمان الاحول، اعمش، عبداللہ بن عمر بن حفص امام اوزاعی[3]

ابراہیم بن محمد۔ اسماعیل بن عبدالملک، حارث بن عبدالرحمٰن، خالد بن علقمہ، ربیعۃ الرائے، شداد بن عبدالرحمٰن، شیبان بن عبدالرحمٰن، طاؤس بن کیسان، عبداللہ بن دینار۔ عکرمہ مولیٰ بن عباس، عون بن عبداللہ قابوس بن ابی ظبیان، محمد بن السائب الکلبی، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، ابوسعید مولیٰ ابن عباس[4]

موسیٰ بن ابی عائشہ، صلت بن بہرام، عثمان بن عبداللہ بن حوشب، بلال، ہیثم بن ابی الہیثم۔ حصین بن عبدالرحمٰن، معن، میمون بن سیاہ، جواب التیمی، سالم الافطس، یحیی بن عمر بن سلمہ۔ عمرو بن جبیر، عبیداللہ بن عمر، محمد بن مالک الہمدانی، ابوالوار خارجہ بن عبداللہ، عبداللہ بن ابی زیاد، حکم بن زیاد، کثیر الاصم، حمید الاعرج، ابوالعطوف، عبداللہ بن الحسن، سلیمان الشیبانی، سعید المرزبان، عثمان بن

---

[1] تذکرۃ الحفاظ للذہبی، جلد اول صفحہ ۴۱ تا ۹۰

[2] تہذیب التہذیب ابن حجر جلد ۱۰ صفحہ ۴۴۹ [3] طبقات الحفاظ جلد اول

[4] تہذیب الکمال

عبداللہ، ابو مجید[1]۔

امام ابو حنیفہؒ کے وہ اساتذہ جو حدیث میں ائمۂ فن شمار کیے جاتے ہیں ان کے حالات پر سرسری نظر ڈالتے چلیے۔

(۱) شعبی، انہی بزرگ کی ترغیب پر امام ابو حنیفہ نے علم کی طرف توجہ کی تھی بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی تھیں، تقریباً پانچ سو صحابہ کے دید سے آنکھیں ترکی تھیں، عراق، شام و عرب میں جو چار اساتذہ کامل تسلیم کیے جاتے تھے، ان سے ایک آپ کا بھی شمار ہوتا تھا۔ امام زُہری کہا کرتے کہ عالم صرف چار ہیں، مدینہ میں ابن المسیب، بصرہ میں حسن، شام میں مکحول، کوفہ میں شعبی، حضرت ابن عمرؓ نے ان کو ایک بار مغازی کا سبق دیتے سنا تو فرمایا خدا کی قسم یہ شخص اس فن کو مجھ سے اچھا جانتا ہے، خلفاء اور اعیانِ دولت ان کا نہایت احترام کرتے تھے ۱۰۴ھ یا ۱۰۶ھ ہجری میں وفات پائی[2]۔

(۲) سماک بن حرب، بہت بڑے تابعی اور محدث تھے، سفیان ثوری کا قول ہے کہ سماک نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی، خود سماک کا بیان ہے کہ میں اسّی صحابہ سے ملا ہوں[3]۔

(۳) عون بن عبداللہ بن عتبہ، حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمر سے حدیثیں روایت کی ہیں، نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے[4]۔

(۴) سلمہ بن کہیل، مشہور محدث اور جلیل القدر تابعی تھے، جندب بن عبداللہ، ابو الطفیل اور ان کے علاوہ بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی ہیں، ابن سعد ان کو کثیر الحدیث لکھتے ہیں، سفیان بن عُیَینہ فرماتے ہیں کہ سلمہ بن کہیل ارکان میں ایک رکن ہیں، ابن مہدی نے کوفہ میں چار اصحاب کو صحیح الروایہ کہا ہے ان میں ان کو بھی شمار کیا ہے[5]۔

---

[1] کتاب الآثار لمحمد
[2] تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۲۳۳
[3] تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۱۷۲
[4] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۴۳۶
[5] تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۵۶

(۵) محارب بن دثار، عبداللہ بن عمر اور جابر وغیرہ سے روایت کی، سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی زاہد کو ایسا نہیں پایا جس کو محارب پر ترجیح دوں۔ امام احمد، ابن معین، ابوزرعہ، دار قطنی، ابوحاتم، یعقوب، ابن سفیان، نسائی نے ان کو ثقہ تسلیم کیا ہے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں محارب عموماً حجۃ ہیں۔ سنہ ۱۱۶ھ میں وفات پائی[۱]

(۶) ہشام بن عروہ، مشہور و معزز تابعی تھے، بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں، بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان ثوری، امام مالک، سفیان بن عُیینہ ان کے شاگرد تھے، ابوجعفر منصور کے زمانے میں کوفہ گئے، اور اہلِ کوفہ نے اسی زمانے میں ان سے حدیثیں روایت کیں[۲]

(۷) قتادہ جلیل القدر محدث اور مشہور تابعی ہیں، صحابہ میں حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن سرجس اور ابوالطفیل سے روایت کرتے ہیں، ان کے علاوہ اور صحابہ سے بھی مرویات ہیں، حضرت انسؓ کے جن دو شاگردوں کو شہرتِ عام حاصل ہوئی، ان میں ایک آپ بھی ہیں۔ حدیث کو بعینہٖ روایت کرتے ہیں، آپ کے قوتِ حافظہ کا یہ حال تھا کہ آپ مدینہ میں سعید بن المسیب سے فقہ و حدیث پڑھتے تھے، ایک دن انہوں نے دریافت کیا، کہ تم ہر دن بہت سی باتیں پوچھتے ہو تم کو کچھ یاد بھی ہے۔ جواب دیا ایک ایک حرف محفوظ ہے چنانچہ جتنا سنا تھا بقید تاریخ اور دن کے بیان کرنا شروع کر دیا۔ وہ نہایت متعجب ہوئے، اور فرمایا، خدا نے دنیا میں تم جیسے لوگ بھی پیدا کیے ہیں، اسی بنا پر ابن سیرین آپ کو احفظ الناس کہا کرتے تھے[۳]

(۸) شعبہ سنہ ۱۶۰ھ میں انتقال ہوا۔ ان کا شمار اجلۂ محدثین میں ہوا کرتا ہے، دو ہزار حدیثیں یاد تھیں سفیان ثوری نے ان کو حدیث میں امیرالمومنین مانا ہے۔ عراق میں ۔۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے جرح و تعدیل کے مراتب مقرر کیے، امام شافعیؒ کا قول ہے، اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہیں ہوتا۔ سفیان ثوری کو جب انتقال کی خبر ہوئی تو فرمایا "آج فنِ حدیث بھی ختم ہوگیا"۔ شعبہ کو امام

[۱] تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۹ [۲] تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۴۸

[۳] تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۳۵۳

ابو حنیفہ کے ساتھ ایک خاص تعلق تھا، امام کی غیر موجودگی میں آپ کی ذہانت اور خوبی فہم کی تعریف کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کا ذکر آیا تو فرمایا کہ جس طرح میں یہ جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے اسی طرح مجھے یہ بھی یقین ہے کہ علم اور ابو حنیفہ ہم نشین ہیں۔ یحییٰ بن معین سے جو امام بخاری کے استاذ ہیں کسی نے ابو حنیفہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "اسی قدر کافی ہے کہ شعبہ نے ان کو حدیث کی روایت کی اجازت دی اور شعبہ تو آخر شعبہ ہی ہیں[1]"

امام ابو حنیفہ کی تحصیلِ علم کی جولانگاہی یہیں تک نہ رہی بلکہ آپ نے حرمین کا بھی سفر کیا، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کوئی فقیہ اور محدث بغیر حرمین سے خوشہ چین ہوتے فقیہ اور محدث تسلیم کیے جانے کے قابل نہیں، اس لیے آپ نے حرمین کا قصد کیا، جس وقت امام ابو حنیفہ مکہ پہنچے تو وہاں درس وتدریس کا عام رواج تھا، متعدد اساتذہ جو فنِ حدیث میں کمال رکھتے تھے، صحابہ کی علمی مجلس کے صحبت یافتہ تھے، ان میں عطاء بن ابی رباح کا حلقۂ درس سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا۔

(۵) عطاء مشہور تابعی تھے، اکثر صحابہ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، اسامہ بن زیدؓ، جابر بن عبداللہ، زید بن ارقمؓ، عبداللہ بن سائبؓ، عقیلؓ، رافعؓ، ابو الدرداءؓ، ابو ہریرہؓ، اور ان کے علاوہ بہت سے صحابہ سے حدیثیں سنی تھیں، خود ان کا بیان ہے کہ میں دو سو صحابہ سے ملا ہوں، مجتہدین صحابہ ان کے علم وفضل کے معترف تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اکثر فرماتے تھے کہ عطاء بن ابی رباح کے ہوتے ہوتے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں، حج کے زمانے میں سرکاری منادی تھی کہ عطاء کے علاوہ کوئی شخص فتویٰ دینے کا مجاز نہیں ہے[2]۔

امام ابو حنیفہؒ ان کی صحبت میں استفادہ کی غرض سے حاضر ہونے لگے، عطاء نے ابتدا میں عقیدہ دریافت کیا آپ نے فرمایا، میں اسلاف کو بُرا نہیں کہتا، گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا، قضا وقدر کا قائل ہوں، عطاء نے حلقۂ درس میں شرکت کی اجازت دے دی[3]۔ روز بروز ان کی ذہانت اور طباعی کے جوہر ظاہر ہونے لگے،

---

[1] عقود الجمان باب دہم، تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۴۴۳

[2] ابن خلکان جلد اوّل صفحہ ۵۷۱ [3] عقود الجمان باب عاشر۔

اور استاذ کی جوہر شناس نگاہوں میں برابر قدر بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ جب آپ حلقۂ درس میں شریک ہوتے تو عطاء اوروں کو ہٹا کر ان کو اپنے پہلو میں جگہ دیتے[1] عطاء ۱۱۵ھ تک زندہ رہے، امام صاحب جب بھی مکہ حاضر ہوتے ان کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے، اور صحبت سے مستفید ہوتے رہے۔

عطاء کے علاوہ مکہ سے اور جن محدثین سے حدیث کی سند لی، ان میں عکرمہ کا ذکر خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے، عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباس کے غلام اور شاگرد ہیں، جنہوں نے خاص توجہ سے ان کی علمی تربیت فرمائی تھی اور اپنی زندگی ہی میں اجتہاد و فتویٰ کا مجاز کر دیا تھا[2]

عکرمہ نے اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی ہیں، مثلاً حضرت علیؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عقبہ بن عامرؓ، صفوانؓ، جابرؓ، ابوقتادہؓ، عائشہ سے حدیثیں روایت کی ہیں، کم و بیش ستر مشہور تابعی حدیث و تفسیر میں ان کے شاگرد ہیں[3] امام بخاری فرماتے ہیں ہم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو عکرمہ سے بے نیاز رہا ہو[4]

۱۰۲ھ میں امام صاحبؒ نے مدینہ منورہ کا قصد کیا جو حدیث کا مخزن اور علوم نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی قرارگاہ تھا۔ صحابہ کے بعد تابعین کا ایک گروہ وہاں علم و افتاء کا مرجع عام تھا، جو فقہاء سبعہ کے نام سے مشہور تھا، مگر جب ابوحنیفہ مدینہ پہنچے تو صرف اس سلسلۃ الذہب کے دو نادر موتی موجود تھے، سلیمان اور سالم بن عبداللہ۔ سلیمان۔ ام المومنین حضرت میمونہ کے غلام تھے اور فقہاء سبعہ میں فضل و کمال کے لحاظ سے ان کا دوسرا نمبر تھا، سالم حضرت عمرؓ کے پوتے تھے اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی، امام ابوحنیفہ ان دونوں حضرات کی مجلس میں حاضر ہوتے اور ان سے حدیثیں روایت کیں۔

موسم حج میں امام ابوحنیفہؒ مہینوں وہاں مقیم رہتے اور دور دور سے آنے والے علماء سے اور اہلِ کمال سے استفادہ کرتے، امام اوزاعی اور مکحول سے مکہ ہی میں تعارف حاصل کیا، اور حدیث کی سند لی۔

---

[1] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ [2] تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۲۶۵

[3] تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۲۶۵ [4] " " صفحہ ۲۷۰

اسی طرح امام باقر کی مدینہ میں شاگردی اختیار کی، امام ابوحنیفہ جب دوسری بار مدینہ گئے تو امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے، ایک شخص نے تعارف کرایا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں۔ انہوں نے فرمایا "ہاں تم ہی قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں کی مخالفت کرتے ہو" امام ابوحنیفہؒ نے نہایت ادب سے جواب دیا کہ عیاذاً باللہ حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہے۔ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی:

ابوحنیفہؒ: مرد ضعیف ہے یا عورت؟

امام باقرؒ: عورت۔

ابوحنیفہؒ: وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟

امام باقرؒ: مرد کا۔

ابوحنیفہؒ: اگر میں قیاس پر عمل کرتا تو کہتا عورت کو زیادہ ملنا چاہیے کیونکہ وہ ضعیف ہے۔

ابوحنیفہؒ: نماز افضل ہے یا روزہ؟

امام باقرؒ: نماز

ابوحنیفہؒ: اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہیے، نہ کہ روزہ کی، حالانکہ میں روزہ ہی کی قضا کا فتویٰ دیتا ہوں۔

امام باقرؒ اس قدر خوش ہوئے کہ اٹھ کر آپ کی پیشانی چوم لی[1]۔

امام صاحبؒ کی قلتِ روایت کے اسباب | یہ بات صحیح ہے کہ امام صاحبؒ محدّث کے لقب سے مشہور نہیں ہوئے، اور یہ کوئی عیب کی بات بھی نہیں ہے کیوں کہ بہت سے ایسے صحابہ گزرے ہیں، جو حضور اکرم کی طویل مصاحبت کے باوجود روایت کے اعتبار سے قلیل الروایہ ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو تمام صحابہ میں طویل صحبت اور محرمِ اسرارِ نبوی کا فخر حاصل ہے مگر احادیث مرویہ کی تعداد صرف سترہ[2] ہے، حضرت عمر فاروقؓ سے صرف پچاس حدیثیں مروی ہیں، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا بھی یہی حال ہے بخلاف ان کے حضرت ابوہریرہؓ سے ۵۳۷۶ حضرت انس سے ۲۲۸۶ حضرت عبداللہ بن عباس سے

---

[1] عقود الجمان

۲۶۶۰۔ اگر روایتوں کی کثرت ہی معیار ہے تو نعوذ باللہ خلفاء اربعہ کی نسبت تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کا حافظہ کمزور تھا، یا ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اقوال و افعال کی طرف توجہ نہ تھی۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ صحابہ میں دو گروہ پائے جاتے ہیں، ایک گروہ وہ ہے جن کا علمی سرمایہ زیادہ تر مرویات ہیں۔ مثلاً ابو الدرداءؓ اور ابی بن کعب وغیرہ ۔۔ اور صحابہ کے دوسرے گروہ کا طریق عمل یہ تھا کہ زیادہ تر حدیثیں فتاویٰ کی صورت میں بیان کرتا تھا۔ ابن حجر مقدمۂ اصابہ میں لکھتے ہیں:

اکثر الصحابہ فتوىً مطلقاً سبعۃ، عمرؓ وعلی وابن مسعود وابن عمر وابن عباس و زید بن ثابت وعائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، قال ابن حزم یمکن ان یجمع من فتیا کل واحد من ھٰؤلاء مجلد ضخیم [1]

سات صحابہ جن کا طریق عمل عام طور پر فتاویٰ رہا، مثلاً عمر، علی، ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس، زید بن ثابتؓ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ابن حزم کا خیال ہے (اور یہ حقیقت بھی ہے)، کہ اگر ان لوگوں میں سے ہر ایک کے فتاوے کو جمع کیا جائے تو ہر ایک کی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں گی۔

حقیقت یہ ہے کہ مجتہد اور محدّث کی حیثیتیں الگ الگ ہیں، محدّث مواعظ و قصص، فضائل و مناقب اور سیر و اخبار ہر قسم کی روایتوں کا استقصا کرتا ہے۔ مجتہد کی نظر زیادہ تر ان احادیث پر پڑتی ہے جس سے کوئی حکم شرعی مستنبط ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مجتہدین محدّثین کے مقابلہ میں ہمیشہ قلیل الروایہ رہے ہیں۔ ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ مجتہدین میں شمار ہوتے ہیں۔ قاضی ابن عبد البر نے کتاب "الانتہاء فی الثلاثۃ الفقہاء" میں امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ پر اکتفا کی ہے، امام احمد بن حنبل پر مجتہد ہونے کا اتفاق نہ ہو سکا۔ مؤطا میں امام مالک کی تمام روایتوں کا مجموعہ زیادہ سے زیادہ ایک ہزار حدیثوں پر مشتمل ہے جن میں صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی ہیں، امام شافعیؒ نے امام احمد بن حنبل کے سامنے اکثر اعتراف کیا ہے کہ آپ لوگ بہ نسبت ہمارے احادیث سے زیادہ واقف ہیں، امام ترمذی کے شیخ قاضی یحییٰ بن اکثم اکثر حسرت

[1] اصابہ جلد اوّل صفحہ ۹

سے فرمایا کرتے تھے کہ "اگر امام شافعی نے علمِ حدیث کی طرف پوری توجہ کی ہوتی تو ہم لوگوں کو سب سے بے نیاز کر دیا ہوتا[۱]"

ابن حجر امام شافعیؒ کے شیوخ حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ولم یکثر من الشیوخ کعادۃ اہل الحدیث لاقبالہ علی الاشتغال بالفقہ[۲] عام محدثین کی طرح امام شافعی کے شیوخ زیادہ نہیں ہیں، کیونکہ ان کی توجہ فقہ کی طرف تھی۔

ابن حجر نے قلتِ شیوخ کی جو وجہ امام شافعی کے لیے لکھی ہے بعینہٖ وہی وجہ امام ابوحنیفہؒ کی قلتِ روایت کے لیے بھی ہے، مگر افسوس بعض لوگوں نے اس دائرہ کو زیادہ وسعت دی اور امام صاحب کے قلتِ روایت کے قائل ہو گئے۔

امام صاحب کی شروطِ روایت | احادیث کی روایت کے لیے امام صاحبؒ نے جو شرطیں اختیار کیں کچھ تو وہی ہیں جو عام طور پر عام محدثین کے یہاں مسلّم ہیں۔ کچھ ایسی ہیں جس میں آپ منفرد ہیں یا امام مالکؒ اور بعض مجتہدین آپ کے ہم زبان ہیں۔ کچھ شروط کا تذکرہ ہم بیان کرتے ہیں۔

(۱) اگر کوئی حدیث روایت کرنے کے بعد بھول جائے تو عام محدثین کے یہاں وہ حدیث قابلِ حجت رہے گی لیکن امام صاحبؒ اور ان کے اصحاب اس حدیث کو نا قابلِ عمل فرماتے ہیں[۳]

(۲) حدیث وہی قابلِ حجت ہے جو راوی اپنے حفظ اور اپنی یاد کے مطابق روایت کرے۔ یہ مسلک امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہے اور بعض ائمہ کا مسلک ہے کہ اگر کوئی دوسرے کے لکھے ہوئے نسخہ کو دیکھ کر روایت کرتا ہے تو وہ روایت قبول کر لی جائے گی[۴]

(۳) اکثر شیوخ کا حلقۂ درس نہایت وسیع ہوتا تھا اس وقت متعدد مستملی یعنی نائب جابجا بٹھا دیئے جاتے تھے کہ وہ شیخ کے الفاظ کو دور تک پہنچائیں۔ اس لیے لامحالہ دور بیٹھنے والے لوگ مستملی کے الفاظ سن کر حدیث کی روایت کرتے تھے، اب یہ سوال اٹھا کہ وہ شخص اصل شیخ کی

---

[۱] توالی التاسیس لحافظ ابن حجر صفحہ ۵۶ [۲] توالی التاسیس لحافظ ابن حجر صفحہ ۵۶

[۳] مقدمہ ابن صلاح صفحہ ۵۵ [۴] مقدمہ ابن صلاح صفحہ ۱۰۲

نسبت حدثنا کہہ سکتا ہے یا نہیں، اکثر ارباب روایت کا مسلک ہے کہ کہہ سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اس کے خلاف ہیں، ائمہ محدثین میں حافظ ابونعیم، فضل بن دکین، ابن قدامہ، امام صاحب کے ہم زبان ہیں، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ مقتضائے عقل بھی (امام ابوحنیفہ کا) مذہب ہے لیکن عام مذہب میں آسانی ہے۔[1]

(۴) راوی نے اپنے مخطوطہ نسخہ میں اپنے شیخ سے سماع کو لکھا ہوا پایا مگر اسے خود اپنے شیخ سے سماع یاد نہیں، امام صاحب ایسی روایت کی اجازت نہیں دیتے، اور بقیہ ائمہ ایسی روایت کی اجازت دیتے ہیں۔[2]

اہل کوفہ کے یہاں روایت بالمعنیٰ درست تھی اور اسی کا طریقہ عام تھا، اور ایسے بہت کم لوگ تھے جو الفاظِ حدیث کی پابندی کرتے تھے، اس لیے روایت میں تغیر و تبدل کا احتمال ہر واسطہ سے بڑھتا رہتا تھا، اس چیز نے امام ابوحنیفہ کو سخت احتیاط پر مجبور کیا۔ ان باتوں سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ معتزلہ کی طرح احادیث کے منکر تھے یا صرف دس بیس حدیثوں کو صحیح تسلیم کرتے تھے۔ ان کے شاگردوں نے خود ان سے سینکڑوں حدیثیں روایت کی ہیں۔

فنِ حدیث میں سب سے بڑا کام امام صاحبؒ نے اصولِ درایت کو قائم کر کے کیا اور ان کو احادیث کی چھان بین میں برتا۔ اربابِ روایت نے جتنی توجہ فنِ روایت میں برتی اس کی نظیر دنیا کی گزشتہ اور موجودہ تاریخ میں نہیں مل سکتی، مگر اسی کے ساتھ یہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اصولِ درایت کی طرف چنداں توجہ نہیں کی۔ بایں ہمہ اصحابِ سیر لکھتے ہیں کہ اس فن پر بھی بعض تصنیفیں لکھی گئیں ہیں، مگر وہ اس قدر کم اور غیر معروف ہیں گویا ہیں ہی نہیں، حالانکہ اصول فن حدیث کے لیے اصول درایت نہایت اہم اور ضروری ہے، یہ عزت صرف امام ابوحنیفہؒ کو حاصل ہے کہ جب اس فن کا نام و نشان بھی نہ تھا اس وقت ان کی باریک بین نگاہ اس نکتہ تک پہنچی، اصولِ درایت کے بارے میں علامہ ابن جوزی محدثین کے اصول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

---

[1] فتح المغیث صفحہ ۱۱۸ [2] مقدمہ ابن الصلاح صفحہ ۱۰۵

کل حدیثٍ رأیتہ یخالف العقول او یناقض الاصول فاعلم انہ موضوع فلا تتکلف اعتبارہ ای لا تعتبر رواتہ ولا تنظر فی جرحھم اویکون مما یدفعہ الحس والمشاھدۃ او مباینا لنص الکتاب او السنۃ المتواترۃ و الاجماع القطعی حیث لا یقبل شیءٌ من ذالك التاویل او تتضمن الافراط بالوعید الشدید علی الامر الیسیر او بالوعد العظیم علی الفعل الیسیر وھذا الاخیر کثیر موجود فی حد القصّاص والطرقیۃ[1]

ہر وہ حدیث جس کو تم عقل کے مخالف پاؤ یا اصول کے مناقض پاؤ تو یہ سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے۔ اس میں راویوں کے تحقیق حال کی کچھ ضرورت نہیں، اسی طرح وہ حدیث بھی موضوع ہے جو حس اور مشاہدہ سے باطل ثابت ہو یا قرآن، حدیث، متواتر، اجماع قطعی کے خلاف ہو اور قابل تاویل نہ ہو۔ یا جس میں ایک معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی یا ذرا سے کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو اس طرح کی حدیثیں واعظوں اور صوفیوں کی روایتوں میں بہت پائی جاتی ہیں۔

امام صاحبؒ نے اصول درایت کے بارے میں جو اصول قائم کیے وہ یہ ہیں:

(۱) جو حدیث عقلِ قطعی کے مخالف ہو وہ اعتبار کے قابل نہیں۔

(۲) جو واقعات تمام لوگوں کو رات دن پیش آیا کرتے ہیں ان کے متعلق اگر رسول اللہ سے کوئی ایسی روایت منقول ہو جو اخبار آحاد کے درجے سے زیادہ نہ ہو تو وہ روایت مشتبہ ہوگی۔

امام بخاری نے امام صاحب سے روایت کیوں نہیں لی؟

یہ صحیح ہے کہ صحاح ستہ کے مؤلفین نے امام صاحب سے روایتیں کم لی ہیں، مگر یہ سلوک صرف امام صاحب ہی کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ امام شافعی جن کو ائمہ حدیث نے احادیث کا مخزن تسلیم کیا ہے، ان کی سند سے صحیحین میں ایک حدیث بھی مروی نہیں ہے بلکہ بخاری اور مسلم نے صحیحین کے علاوہ بھی اپنی کسی تصنیف میں ان سے روایت نہیں لی، امام رازی نے اگرچہ اس بے اعتنائی کی بہت سی تاویلیں کی ہیں، مگر کوئی معقول

[1] فتح المغیث مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۱۴ [2] لفظ عقل سے مراد امام صاحب کے یہاں وہ وسیع معنی نہیں ہیں جو آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں نے قرار دیئے ہیں، جس کی رو سے شریعت کے بہت سے مسائل برباد ہو جاتے ہیں۔

وجہ نہ بتا سکے، صحیحین پر کیا موقوف ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی نے بھی بہت کم ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جن کے سلسلۂ رواۃ میں امام شافعی کا ذکر موجود ہے، حقیقت یہ ہے کہ محدثین نے رُواۃ کے ثقہ ہونے کے ساتھ ساتھ اعتماد اور استنباط کا جو معیار قرار دیا تھا اس میں اہلِ نظر ہی کیا بلکہ اکثر لوگوں کے لیے کم گنجائش تھی، علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ خود امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ:

لم اکتب عمن قال الایمان قول وعمل [1]	میں نے کسی ایسے شخص سے حدیث نہیں لی جس کا قول یہ نہ رہا ہو: الایمان قول وعمل

اگر یہ صحیح ہے تو امام ابوحنیفہؒ کو ان کے دربار میں پہنچنے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔

مجتہدین کا جو وصف ما بہ الامتیاز ہے وہ ہے دقّتِ نظر، قوتِ استنباط، استخراجِ مسائل، تفریعِ احکام، مگر بعض محدثین کے نزدیک یہی باتیں نقص میں داخل ہیں، علامہ ابوجعفر محمد جریر طبری، قاضی ابویوسف کے ذکر میں لکھتے ہیں:

وتحامی حدیثہ قوم من اھل الحدیث من أجل غلبۃ الرأی علیہ وتفریعہ الفروع والاحکام مع صحبۃ السلطان و تقلدہ القضاء [2]	اربابِ حدیث میں سے ایک گروہ نے ان کی روایت سے صرف اس بنا پر احتراز کیا ہے کہ وہ اہل الرائے تھے اور فروعِ احکام کی تفریع کیا کرتے تھے اور بادشاہ کی صحبت میں رہتے تھے اور منصبِ قضا پر مامور تھے۔

اگر فروعِ مسائل اور احکام کا استنباط بھی جرم ہے تو بلاشبہ امام ابوحنیفہ قاضی ابویوسف سے زیادہ مجرم ہیں۔

امام صاحب کی تصنیفات امام صاحب کی تصنیفات ظاہری اعتبار سے کم ہیں اور معنوی حیثیت سے زیادہ۔ جو تلامذہ کی کاوشوں سے منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ آپ کا عام معمول درس و تدریس رہا۔ دوسرے آپ کے دور میں تصنیفات کا چنداں رواج نہ تھا، مگر اس کے باوجود بعض تصنیفات

[1] مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۷۹ [2] ابن خلکان جلد سوم صفحہ ۳۳۴

موجود ہیں، (۱) رسالہ الیٰ عثمان البتی (۲) کتاب العالم والمتعلم (۳) فقہ الاکبر (۴) مسند امام اعظم۔

(۱) عثمان بتی جو اپنے وقت کے مشہور محدّث تھے آپ کے معاصر تھے، امام صاحب کے متعلق عام طور پر غلط فہمیاں پھیلی ہوئی تھیں، جو عثمان بتی تک بھی پہنچیں۔ آپ نے امام صاحب کو ایک دوستانہ خط لکھا، اور بتایا کہ آپ کو لوگ مرجئہ لکھتے ہیں، اور بیان کرتے ہیں کہ آپ مومن کو گمراہ کہنا جائز قرار دیتے ہیں۔ مجھے ان باتوں سے نہایت رنج ہوا۔ اس کے جواب میں آپ نے شکریہ کے ساتھ مفصل خط لکھا اور غلط باتوں کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد اپنی رائے لکھی، اور آخر میں لکھا، میرا یہ قول ہے کہ اہلِ قبلہ سب مومن ہیں، اور فرائض کے ترک سے کافر نہیں ہو سکتے، جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجا لاتا ہے وہ مومن ہے اور جنتی ہے۔ جو ایمان اور اعمال دونوں کا تارک ہے وہ کافر اور دوزخی ہے جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اس سے ترک ہو جاتے ہیں وہ مسلمان ضرور ہے، لیکن گنہگار مسلمان ہے، خدا کو اختیار ہے اس کو عذاب دے یا معاف کر دے[1]

(۲) کتاب العالم والمتعلم صاحبِ کشف الظنون لکھتے ہیں:

لابی حنیفۃ (امامنا الاعظم نعمان بن ثابت رحمہ اللہ)[2] اس کتاب کی ابتدا ان کلمات سے ہے الحمد للہ حیا لا یموت الخ، یہ کتاب سوال و جواب کے طور پر ایک رسالہ ہے جو عقائد اور نصائح پر مشتمل ہے، جس کو مقاتل نے امام صاحب سے روایت کیا ہے۔

(۳) فقہ الاکبر، صاحب کشف الظنون اس کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ رسالہ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی (متوفی ۱۵۰ھ) کا ہے جو کلام و عقائد پر مشتمل ہے، جس کو ابو مطیع بلخی نے روایت کیا ہے۔ علماء نے اس کی مختلف شرحیں لکھی ہیں، مثلاً محی الدین محمد بن بہاء الدین المتوفی ۹۵۶ھ نے اس کی مفصل شرح لکھی اور اس کا نام القول الفصل رکھا ہے۔ مولیٰ الیاس بن ابراہیم السینوبی (المتوفی ۸۹۱ھ، مولیٰ احمد بن محمد المغنیساوی، حکیم اسحٰق وغیرہم، ابو البقاء الاحمدی نے ۹۱۸ھ میں اس کو منظم کیا اور اس کا نام "عقد الجوہر نظم الفقہ الاکبر"

[1] کشف الظنون صفحہ ۱۴۲ [2] ایضاً صفحہ ۱۴۳۷

رکھا۔ اسی طرح ابراہیم بن حسام جو شریفی کے نام سے مشہور ہیں نظم میں لکھا، ملا علی قاری نے بھی اس کی شرح لکھی اور اس کا نام "منح الازہر" رکھا، جو عام طور پر زیادہ متداول ہے۔ اسی طرح شیخ اکمل الدین نے بھی شرح لکھی اور اس کا نام الارشاد رکھا۔[1]

(۴) مسند الامام الاعظم۔ صاحب کشف الظنون اس کے مفصل تعارف میں لکھتے ہیں:

"اس کو حسن بن زیاد اللؤلوئی نے روایت کیا ہے اور اس کو شیخ قاسم بن قطلوبغا (المتوفی ۸۷۹ھ) نے مرتب کیا ہے، جو ابواب فقہ کے ساتھ مروی ہے۔ اس کی شرح میں امالی دو جلدوں میں لکھی، جمال الدین بن احمد القونوی (المتوفی ۷۷۰ھ) نے "مسند المختصر" جس کا نام "المعتمد" رکھا ترتیب دیا، ابوالمؤید محمد بن محمود الخوارزمی (المتوفی ۶۶۵ھ) نے مسند کے متعدد نسخوں کو جمع کیا۔[2] دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ" بلاد شام میں بعض جاہلوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ امام ابوحنیفہ کو فن حدیث میں چنداں دخل نہ تھا، اور اس وجہ سے حدیث میں ان کی کوئی کتاب نہیں ہے، اس پر مجھ کو حمیت مذہبی کا جوش ہوا، اور میں نے چاہا کہ ان تمام مسندوں کو یکجا کر دوں جو علماء نے امام ابوحنیفہ کی حدیثوں سے مرتب کیے ہیں اور جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

(۱) مسند حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبداللہ الاستاذ، (۲) مسند امام ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد (۳) مسند حافظ ابوالحسین محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ (۴) مسند حافظ ابونعیم الاصفہانی (۵) مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبدالباقی محمد الانصاری (۶) مسند امام ابواحمد عبداللہ بن عبدالجرجانی، (۷) مسند امام حافظ عمر بن الحسن الاشنانی (۸) مسند ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی (۹) مسند امام ابویوسف القاضی (۱۰) مسند امام محمد (۱۱) مسند حماد بن امام ابوحنیفہ (۱۲) مسند امام ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن ابی العوام السعدی (۱۳) امام حافظ ابوعبداللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی (۱۴) امام ماوردی۔[3]

با ایں ہمہ ان مسانید کے علاوہ جو کتابیں فقہ حنفی میں متداول ہیں۔ قرآن و احادیث اور اقوال صحابہ

---

[1] کشف الظنون صفحہ ۱۲۸۷ [2] دائرۃ المعارف سے دو جلدوں میں طبع ہو چکی ہے [3] کشف الظنون صفحہ ۱۶۸۰

کی روشنی میں جمع کی گئی ہیں، ہدایہ کی احادیث مجموعی شکل میں "نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ" چار جلدوں میں ہے[۱] اسی طرح کوئی شخص فقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے اگر صرف امام طحاوی کی "شرح معانی الآثار" ابوبکر جصاص کی احکام القرآن اور امام سرخسی کی المبسوط کو دیکھ لے تو قلتِ حدیث کی تمام غلط فہمیاں دُور ہو سکتی ہیں[۲]

اجمالی بحث مخالفین نے امام صاحب کی مخالفت میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، اور ہر طرح کی رطب و یابس باتیں آپ کی طرف منسوب کر دیں مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جس کے اساتذ شعبی، سماک بن حرب، عون بن عبداللہ بن عتبہ، سلمہ بن کہیل، محارب بن دثار، ہشام بن عروہ، قتادہ، شعبہ، عطاء، عکرمہ اور امام باقر جیسے جلیل القدر تابعی اور اپنے وقت کے امام ہوں جن کی روایتوں سے بخاری اور مسلم مالا مال ہیں، وہ حدیث میں کس رتبہ کا شخص ہو گا۔

اس کے ساتھ ہی امام صاحب کے شاگردوں پر نظر ڈالیے۔ یحییٰ بن سعید القطان جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں، عبدالرزاق بن ہمام جن کی جامع کبیر سے امام بخاری نے فائدہ اٹھایا ہے۔ یزید بن ہارون جو امام احمد کے استاذ تھے۔ وکیع بن الجراح جن کی نسبت امام احمد کہا کرتے تھے کہ حفظ و اسناد روایت میں مَیں نے ان کا ہمسر کسی کو نہیں پایا۔ عبداللہ بن المبارک جو فنِ حدیث میں امیر المومنین تسلیم کیے گئے ہیں یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ جن کو علی بن المدینی (استاذ بخاری) منتہائے علم کہا کرتے تھے۔ یہ لوگ برائے نام امام صاحب کے شاگرد نہ تھے، بلکہ برسوں آپ کے دامنِ فیض میں تعلیم پائی۔ اور اس انتساب پر ان کو فخر و ناز تھا۔ عبداللہ بن المبارک کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے ابوحنیفہ و سفیان ثوری سے میری مدد نہ کی ہوتی تو میں ایک معمولی آدمی ہوتا۔ وکیع اور یحییٰ بن ابی زائدہ امام صاحب کی صحبت میں اتنی مدت تک رہے کہ صاحبِ ابی حنیفہ کہلاتے تھے۔ کیا اس رتبہ کے لوگ جو خود حدیث و روایت کے پیشوا اور مقتدا تھے کسی معمولی شخص کے سامنے سر جھکا سکتے تھے؟[۳]

۱؎ دارالمامون مصر سے ۱۳۵۷ھ میں طبع ہو چکی ہے ۲؎ اسی طرح اعلاء السنن ۱۱ جلدوں میں اشرف المطابع تھانہ بھون سے شائع ہو چکی ہے

۳؎ ان حضرات کے حالات مطلوب ہوں تو تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال، تہذیب الاسماء واللغات، خلاصہ تہذیب الکمال، تاریخ ابن خلکان، الجواہر المضیئہ دیکھیے۔

ان باتوں کے علاوہ امام ابو حنیفہ کا مجتہدِ مطلق ہونا ایک ایسا مُسلّم مسئلہ ہے جس سے غالباً آج تک شاید ہی کسی نے انکار کیا ہو، اجتہاد کی تعریف خود علماء حدیث مثلاً بغوی، رافعی، نووی وغیرہ نے ان الفاظ میں کی ہے:

"مجتہد وہ شخص ہے جو قرآن، حدیث، مذاہبِ سلف، لغت، قیاس، ان پانچ چیزوں میں کافی دستگاہ رکھتا ہو، یعنی مسائل شرعیہ کے متعلق جس قدر قرآن میں آیتیں ہیں، جو حدیثیں رسول اللہ سے ثابت ہیں، جس قدر علمِ لغت درکار ہے، سلف کے جو اقوال ہیں، قیاس کے جو طرق ہیں، تمام وجوہ سے واقف ہو، اگر ان میں سے کسی میں کم دخل ہے تو وہ مجتہد نہیں ہے اور اس کو تقلید کرنی چاہیے[1]"

محدثین میں بھی اکثر نے آپ کے فن حدیث کی واقفیت اور دستگاہ کا اعتراف کیا ہے، علامہ ذہبی نے جو زمانہ مابعد کے تمام محدثین کے پیشوا اور امام ہیں حفاظِ حدیث کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے، دیباچہ میں لکھتے ہیں:

ھٰذہ تذکرۃ باسماء معدّلی حملۃ العلم النبوی ومن یرجع الی اجتہادھم فی التوثیق والتضعیف والتصحیح والتزییف[2]	کہ یہ تذکرہ ہے جو علم نبوی کے حامل ہیں اور جن کے اجتہاد پر توثیق اور تضعیف اور تصحیح اور تزئیف میں رجوع کیا جاتا ہے۔

علامہ موصوف نے تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے، اسی بنا پر خارجہ بن زید بن ثابت کے ضمنی تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے ان کو حفاظِ حدیث میں اس لیے ذکر نہیں کیا کہ وہ قلیل الحدیث تھے[3] امام صاحب کے محدث ہونے کا اس سے زیادہ کیا ثبوت درکار ہے کہ علامہ ذہبیؒ نے ان کو حفاظِ حدیث میں شمار کرتے ہوئے اپنی کتاب میں آپ کا تذکرہ کیا ہے۔

حافظ ابو المحاسن دمشقی شافعی نے عقود الجمان میں ایک خاص باب اس عنوان سے باندھا ہے الباب الثالث والعشرون فی بیان کثرۃ حدیثہ وکونہ من اعیان المحدثین، یعنی تئیسواں باب اس بیان میں کہ وہ (امام ابو حنیفہ) کثیر الحدیث اور اعیان حفاظ سے تھے۔ قاضی ابو یوسف جن کو

[1] عقد الجید شاہ ولی اللہ صاحب صفحہ ۵، ۶ [2] تذکرۃ الحفاظ للذہبی صفحہ ۲ [3] ایضاً صفحہ ۸۰

یحیی بن معین صاحب الحدیث کہتے ہیں اور علامہ ذہبیؒ نے ان کو حفاظِ حدیث میں محسوب کیا ہے، ان کا بیان ہے کہ ہم لوگ امام ابو حنیفہ سے مسائل میں بحث کرتے تھے، جب ان کی رائے قائم ہو جاتی تھی، تو میں حلقۂ درس سے اٹھ کر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا تھا، اور ان سے اس مسئلہ کے متعلق حدیثیں دریافت کر کے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا، امام صاحب ان حدیثوں میں سے بعض کو قبول کرتے اور بعض کو رد فرما دیتے، میں پوچھتا آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ فرماتے کوفہ میں جو علم ہے میں اس کا عالم ہوں۔[1]

ابن خلدون کی جس عبارت کا ابتدا میں حوالہ دیا گیا ہے اور جس سے عام طور پر قلیل الروایۃ کی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں، علامہ موصوف کچھ سطروں کے بعد ہی لکھتے ہیں:

ولا سبيل الى هذا المعتقد فى كبار الائمة لان الشريعة انما توخذ من الكتاب والسنة ومن كان قليل البضاعة من الحديث فيتعين عليه طلبه وروايته والجد والتشمير فى ذالك لياخذ الدين عن اصول صحيحة[2]	ائمہ کبار کی نسبت یہ گمان نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ شریعت قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے پس جو شخص حدیث میں کم مایہ ہے اس کو تلاش اور کوشش کرنی چاہیے تاکہ دین کو اصول صحیحہ سے اخذ کر سکے۔

چند سطور کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں:

ويدل على انه من كبار المجتهدين فى علم الحديث اعتماد مذهبه بينهم والتعويل عليه واعتباره ردًا وقبولًا[3]	فن حدیث میں امام ابو حنیفہ کا کبار مجتہدین میں ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مذہب محدثین میں معتبر خیال کیا جاتا ہے اور ردًّا و قبولاً اس سے بحث کی جاتی ہے۔

---

[1] عقود الجمان [2] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۰۷ [3] ایضاً